ٹیلیفون نمبر ۲۹ — تار "انجمن" علی گڈھ

انجمن ترقی اردو ہند کا پندرہ روزہ اخبار

ہماری زبان

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

ایڈیٹر آل احمد سرور

جلد ۱۵ نمبر ۱۶	۱۵ اگست سنہ ۱۹۵۶ع	علی گڈھ

انجمن کی خبریں

بمبئی

انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی نے اردو پڑھنے والوں کو اعلیٰ معیاری رسالے مہیا کرنے کی تیاری کی ہے یہ اسکیم مقامی لائبریریوں کے تعاون سے زیرعمل آئے گی

اس اسکیم کی پہلی کڑی یہ ہے کہ انجمن ترقی اردو کے پاس جو رسالے اس وقت موجود ہیں وہ رسالے شہر کے دارالمطالعوں کو مہیا کئے جائیں۔ ایک خاص مدت کے بعد یہ رسالے واپس لے کر دوسرے دارالمطالعوں کو مہیا کئے جائیں گے۔ اس اسکیم کی بدولت وہ احباب ان رسالوں کا مطالعہ کرسکیں گے جو رسالے نہ تو خود منگا سکتے ہیں اور نہ ان کی رسائی کسی ایسی لائبریری تک ہے جہاں یہ رسالے آتے ہوں۔ لائبریریوں اور دارالمطالعوں کے علاوہ یہ رسالے ایسے افراد ایسی انجمنوں یا اداروں کو بھی دئے جا سکتے ہیں جو انھیں کسی ایسی محفوظ جگہ رکھوانے کا انتظام کردیں جہاں اردو دوست احباب آکر مطالعہ کرسکیں۔

حیدرآباد

۱۵ر جولائی کی شام کو اردو ہال میں انجمن ترقی اردو اور اردو ہال کمیٹی کی جانب سے ممتاز اردو شعرا حضرت جگر مراد آبادی، شکیل بدایونی، مجروح سلطانپوری، اور خمار بارہ بنکوی کا خیر مقدم کیا گیا۔ جناب حبیب الرحمٰن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو نے شعراء کو اردو ہال کا معائنہ کرایا، اور انجمن ترقی اردو، اردو ہال کمیٹی کی جانب سے ان کا خیر مقدم کیا۔

خیر مقدمی تقریر میں یہ انکشاف کیا کہ اردو ہال کے تعمیر فنڈ میں سب سے پہلے حضرت جگر مرادآبادی نے چندہ دیا تھا۔ موصوف نے بتایا کہ یہ حضرت جگر کے خلوص کا نتیجہ ہے کیونکہ سب سے پہلے انھوں نے جو پچاس روپیہ چندہ دیا تھا وہ اب پچاس ہزار تک پہنچ چکا ہے انھوں نے کہا کہ ایسے زمانہ میں جبکہ اردو حیدرآباد کی سرکاری زبان تھی اردو کے لئے ایک جھونپڑی بھی نہیں بنائی گئی اس کے برعکس آج جبکہ اس زبان کا مستقبل کچھ تاریک معلوم ہوتا ہے عوام نے پیش قدمی کرکے اردو ہال جیسی شاندار عمارت تعمیر کی ہے۔

شکیل بدایونی نے اپنی جوابی تقریر میں خیر مقدم پر شکریہ ادا کرتے ہوئے بمبئی کے شعرا کی جانب سے اردو ہال کی دامے درمے اور سخنے امداد اور اردو ہال کو بہتر سے بہتر بنانے میں ممکنہ تعاون کا یقین دلایا۔ اور کہا کہ اردو کے مستقبل سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ جو زبان عوام کی زبان بن جائے وہ کسی مخالفت سے مٹ نہیں سکتی۔

آگرہ

۲۱ر جولائی کو انجمن ترقی اردو کے ممبران کا ایک

جلسہ حضرت میکشؔ اکبرآبادی کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں حسب ذیل حضرات نے شرکت کی۔

پنڈت راج ناتھ کنزرو صاحب۔ سید محمد علی شاہ صاحب۔ میکشؔ اکبرآبادی۔ جناب مغیث الدین فریدی، کیشو دیو شرما صاحب۔ سید معظم علی شاہ صاحب۔ سید اقدام احمد صاحب ہوشؔ اکبرآبادی۔ عشرت علی صاحب ابو محمد صاحب، حکیم عشرت حسین صاحب، جناب صبا اکبرآبادی، حکیم بال کشن داس صاحب بازغ اکبرآبادی۔ جی۔ سی۔ ڈی ٹنڈیا صاحب۔ آفتاب اکبرآبادی۔ ماجد حسن صاحب فریدی۔ امیر بخش صاحب تلمیذ۔ مولوی تاج الدین صاحب۔ افضال حسین صاحب تبسم۔ افضال محمد خاں صاحب۔ سید اطہر علی صاحب۔ ماجد حسین صاحب۔ غلام صابر صاحب قریشی۔ سید عزیز احمد صاحب حافظ عبدالستار صاحب فریدی ایچ۔ ایف اصغر علی صاحب اصغر۔ اکبرآبادی۔ عبدالستار صاحب صاحب۔ ثاقب اکبرآبادی۔ راج کمار ونگ صاحب اسٹیٹ بنک آف انڈیا۔

اس جلسہ میں انجمن ترقی اردو شاخ آگرہ کے حسب ذیل عہدہ داروں کا انتخاب ہوا۔

صدر :- جناب پنڈت راج ناتھ کنزرو صاحب

نائب صدر :- (۱) جناب سید محمد علی شاہ صاحب میکشؔ اکبرآبادی (۲) جناب ڈاکٹر گورکھ رام صاحب ٹنڈن۔

سکریٹری :- جناب مغیث الدین فریدی پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ

اسسٹنٹ سکریٹری :- اقبال خاں صاحب سری واستوا۔ آگرہ کالج آگرہ

جوائنٹ سکریٹری :- (۱) سید افضال حسین صاحب تبسم (۲) حکیم سید عشرت حسین صاحب

پروپیگنڈہ سکریٹری :- جناب مقصود اللہ خاں صاحب خیال

جناب صدر نے اپنی تقریر میں اردو کی اہمیت اور اس کے فروغ و اشاعت کی ضرورت پر بڑے دل نشیں انداز میں روشنی ڈالی۔ اور اردو والوں کو یہ بتایا کہ وہ اردو کو فرقہ وارانہ ذہنیت کا شکار نہ ہونے دیں۔

(نامہ نگار)

جے پور (راجستھان)

جے پور۔ ۸ اگست (ڈاک سے) کل شام کو ۸ بجے بمقام مسلم مسافر خانہ جے پور "اردو محل" میں انجمن ترقی اردو شاخ جے پور کا اجلاس برائے انتخاب مجلس عاملہ بوجہ انقضائے میعاد موجودہ مجلس عاملہ منعقد ہوا اور حسب ذیل اصحاب کو بالاتفاق منتخب کیا گیا۔

(۱) ماسٹر نند لال نگم صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی صدر۔ (۲) محمد حامی الدین خاں صاحب ایم۔ اے اور منشی من موہن لال صاحب سبل بکرت پلیڈر نائب صدر (۳) ماسٹر سراج الحق صاحب بی۔ اے سکریٹری (۴) ایس۔ ایم اسلام صاحب خازن (۵) سید لائق علی صاحب مسکری (۶) حکیم حافظ عبدالسلام صاحب (۷) شیخ غفار علی صاحب ایڈوکیٹ (۸) ڈاکٹر سردار رام سنگھ صاحب (۹) عبدالحکیم صاحب جوہری میونسپل کمشنر (۱۰) کالے خاں صاحب جانباز ممبران منتخب ہوئے۔

غزل

تجھ سے بچھڑ کے دل کی صدا کو بہ کو گئی
لے آج دردِ عشق کی بھی آبرو گئی

وہ رت جگے رہے نہ وہ نیندوں کے قافلے
وہ شامِ میکدہ، وہ شبِ مشک بو گئی

دنیا عجب جگہ ہے کہیں جی بہل نہ جائے
تجھ سے بھی دور آج تری آرزو گئی

اے کاش میں نہ سازِ حقیقت کو چھیڑتا
وہ دل نواز اک خلشِ جستجو گئی

کتنی عجیب شے تھی مگر خواہشِ وصال
جو تیری ہو کے بھی نہ ترے روبرو گئی

روٹھی تو خوب روٹھی رہی ہم سے فصلِ گل
آئی تو پھر نچوڑ کے دل کا لہو گئی

ہنس ہنس کے لے لیے ہیں کئی جام زہر بھی
تیرے بلاکشوں سے نہ پینے کی خو گئی

سب کچھ لٹا کے بھی میں ترا ہی اسیر ہوں
اے دخترِ یقین[1] مرے دل سے نہ تو گئی

سر سے کبھی نہ اترے گا یہ نشۂ حیات
کہنے کو یوں تو مستیٔ جام و سبو گئی

سینہ لہو لہان تھا ہر ہر کلی کا آج
بادِ صبا چمن سے بہت سرخرو گئی

خلیل الرحمٰن اعظمی

[1] "یقین کی اکلوتی بیٹی امید" (مسرسیا)

ہماری زبان

۱۵ر اگست ۱۹۵۶ء

اردو اور مسلمان

اردو جدید ہندستانی زبانوں میں سے ایک زبان ہو جو یہیں پیدا ہوئی، بڑھی اور برگ و بار لائی۔ یہ ہندستان کی مشترک تہذیب کی ایک غیر فانی یادگار ہے۔ اس کی خدمت ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں، سب نے مل کر کی ہے۔ بلا شبہ اس میں مسلمانوں کا حصہ زیادہ ہے مگر اردو ان کی ملکیت نہیں ہے اور نہ انھیں یہ حق پہنچتا ہو کہ وہ اس کے تنہا ٹھیکدار ہو جائیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ کچھ عرصے سے تنگ نظری اور تعصب کی ہواؤں نے ملک کی اکثریت کو اردو سے بدظن کر دیا ہے اور وہ اپنے اس قیمتی ورثے کو ٹھکرانے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ مگر ایک غلطی، دوسری غلطی کا جواز نہیں ہوتی۔ ایک گمراہی کی بنا پر دوسری گمراہی کو ہم صحیح قرار نہیں دے سکتے۔ ایک عرصے تک ہم نے اردو کو قومی زبانوں کے ذیل میں رکھا۔ پھر ہم نے اردو کے ان غیر مسلم خدمت گزاروں کے کارناموں کا پورا اعتراف نہیں کیا جنھوں نے اپنی عمریں اردو کی خدمت میں صرف کر دیں اور اردو ادب میں قابلِ قدر اضافے کئے۔ ہم نے اردو کی بقا کے مسئلے کو بھی ایک مذہبی سوال بنا لیا۔ ہم نے دہلی اور لکھنؤ کے نام پر نہ صرف قصباتی زبان پر ناک بھوں چڑھائی بلکہ گویا شاہی اردو کے ساتھ نادرشاہی اردو پر بھی اعتراض کئے۔ ہماری ادبی تاریخوں میں غیر مسلم مشاہیر کے ساتھ پورا انصاف نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اردو کا نقصان ہو گیا اسے مشکل، محدود، غیر ملکی سمجھ کر ہندوؤں اور سکھوں نے اس کی طرف سے توجہ ہٹا لی اور اب ہم مسلمانوں کا اردو کے لئے واویلا دیکھ کر یہ شعر بے ساختہ یاد آتا ہے۔

اسی باعث تو قتلِ عاشقاں کو منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہو کر

اب یہی وقت ہے کہ ہم اردو کی بقا کو ایک تہذیبی مسئلے کی حیثیت سے دیکھیں۔ آج بھی معقول ہندوؤں اور سکھوں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد اردو سے ہمدردی رکھتی ہے۔ جدید دور کے ادیبوں اور شاعروں میں غیر مسلم حضرات تعداد اور اہمیت دونوں کے لحاظ سے قابلِ ذکر ہیں۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ کبھی ہماری اپنی تنگ نظری اور کچھ دوسروں کی تنگ نظری کی وجہ سے یہ تعداد کم ہو رہی ہے۔ اگر ہم نے بدستور اردو کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے دیکھا اور اردو دشمنی کو مسلم دشمنی کے مترادف قرار دیا تو آج نہیں تو کل اردو صرف مسلمانوں تک محدود ہو جائے گی۔ ہمیں محض مصلحت اندیشی یا سیاست کی بنا پر نہیں کھلے دل سے، اردو کی جدوجہد کو ایک قومی، تہذیبی اور ہندستانی رنگ دینا چاہئے۔ ایک طرف ہمارا فرض یہ ہے کہ اردو کو آسان عام فہم اور سب کے لئے دلکش بنائیں۔ دوسری طرف اردو کی خدمات کے سلسلے میں ہر شخص کے کارنامے کا مناسب اعتراف کریں۔ خواہ وہ پنجاب کا سکھ ہو یا حیدرآباد کا ہندو۔ تیسرے اردو کے ہر ہمدرد کی نیت پر شبہ نہ کریں، بلکہ جس طرح وہ اردو کی خدمت کر سکے اسے کرنے کا موقع دیں اور اس کے جذبے اور اس کے خلوص دونوں کا احترام کریں۔

آج اگر یوپی کے ہندوؤں کی بڑی تعداد اردو کو چھوڑنا چاہتی ہے تو یہ تمام تر ان کا قصور نہیں ہو سکتا قومیں تنگ نظر نہیں ہوا کرتیں، افراد ہوتے ہیں۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ ہندو جو ایک زمانے میں اردو لکھتے پڑھتے تھے، اب اسے اپنانے سے گریز کرتے ہیں۔ شاید اردو میں انھیں اپنے کسی جذبے کسی خواہش، کسی امنگ، کسی خواب کی تسکین کا سامان نہیں ملتا یا وہ اس میں اپنا راز نہیں پاتے۔ بعض اوقات محبوب کا تصور نہیں ہوتا۔ پرستار محبوب کے ایک خاص رنگ پر اصرار کرتے ہیں۔ اور دوسرے پرستار بدظن ہو جاتے ہیں۔ یہ وقت ہمارے سوچنے کا ہے، جھگڑنے کا نہیں۔ اردو کو اس کا جائز حق دلوانے کے لئے۔ اس کی اپیل عام کرنے کے لئے۔ کیا ہم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ بچھڑے اور روٹھے ہوئے دوستوں کو منایا جائے۔ ڈر کے مارے نہیں، محبت کی وجہ سے، مصلحت اور سیاست کی بنا پر نہیں، تہذیب اور انسانیت کے نام پر۔ اقبال نے غلط نہیں کہا ہے ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

سرد جنگ

معاصر "قومی آواز" نے اردو کی موجودہ جدوجہد کو "سرد جنگ" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قومی آواز کی اپنی اصطلاح ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند کی اصطلاح نہیں ہے۔ بعض اخباروں کو جو انجمن ترقی اردو ہند کے خلاف لکھنا اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، "سرد جنگ" کے عنوان کی وجہ سے انجمن کو مطعون کرنے کا ایک بہانہ ہاتھ آگیا ہے۔ ہم ان کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہمارے خیال میں خلوص اور لگن کے ساتھ اپنا کام کرنا اور تعریف یا تنقیص، مدح یا قدح سے بے نیاز ہو کر جدوجہد کئے جانا، سب سے اچھا جواب ہے۔ جو لوگ اردو کی خدمت اسی میں سمجھتے ہیں کہ انجمن پر اعتراضات کئے جائیں، انھیں یہ "ذہنی عیاشی" مبارک ہے۔

ہاں "سرد جنگ" کی اصطلاح کچھ موزوں نہیں۔ جو لوگ گرم و سرد زمانہ دیکھے ہوئے ہیں، وہ اپنی جدوجہد کی ہر منزل کو اس طرح الگ اور مخصوص نہیں کرتے، وہ تو غالب کے یہ اشعار یاد رکھتے ہیں۔

سرمائے غم پہ چاہیے ہنگام بے خودی
رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے
یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے

وحشت مرحوم

علامہ رضا علی وحشت کے انتقال سے ہمارا ایک اور ممتاز شاعر، استاد فن اور ادبی رہنما ہم سے جدا ہو گیا۔ رضا علی وحشت، نہ صرف خود ایک بلند پایہ شاعر تھے، بلکہ اپنی ذات سے ایک انجمن بھی تھے انھوں نے عرصے تک بنگال میں اردو کی شمع روشن رکھی اور ان سے مدتوں وہاں کے ادب دوست حضرات، طلبا اور اساتذہ، فیض اٹھاتے رہے۔ کچھ عرصے سے وہ کلکتہ چھوڑ کر ڈھاکے میں مقیم ہو گئے تھے۔ افسوس ہے کہ وہیں انھوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

وحشت عزن کی شہرت کے ساتھ جیے اور تقریباً پچاس برس انھوں نے شعر و ادب کی خدمت کی۔ ہمیں امید ہے کہ ان کے شاگرد اور احباب ان کی زندگی اور کردار سے اردو کی بے لاگ خدمت اور شعر و ادب سے گہری لگن کا درس لیں گے۔ یہی ان کا سب سے اچھا اعتراف ہوگا۔

یوم مطالبہ اردو

یو۔پی میں ریاستی شاخ انجمن ترقی اردو کے پروگرام کے مطابق ۲۰ اگست کو پوری ریاست کے گوشے گوشے میں یوم مطالبہ اردو منایا گیا اخبارات میں بہت سے مقامات کی خبریں شائع ہو چکی ہیں ہماری زبان کے پاس بھی انجمن کی کئی شاخوں اور دیگر اداروں کی اطلاعات آئی ہیں لیکن عدم گنجائش کی وجہ سے ان کا خلاصہ شائع کرنا بھی ممکن نہیں ہم اپنے نامہ نگاروں سے اس سلسلے میں معذرت خواہ ہیں۔

یو۔پی کی ہمدردی میں مدھیہ پردیش، راجستھان، بمبئی اور حیدرآباد ریاست میں بھی بعض بعض جگہوں پر یوم اردو منایا گیا۔

بمبئی کی اطلاع ہے کہ کرلا میں بزم ارباب ذوق کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا جس میں حضرت جگر الہ آبادی، محمد حسین صاحب ایڈوکیٹ، نسیم احمد صاحب ایڈوکیٹ اور تابش صاحب سلطانپوری نے تقریریں کیں اور تجاویز پاس ہوئیں۔

اجین کی بزم ادب کے سکریٹری رند صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ بزم کے زیر اہتمام ایک جلسہ کیا گیا اور تجاویز پاس ہوئیں۔

بہرائچ میں سید محمود حسن صاحب ایڈوکیٹ کے زیر اہتمام یوم مطالبہ کا ایک جلسہ بہ صدارت بابو سرجو سہائے صاحب منعقد ہوا۔ اور فی الحال انجمن ترقی اردو کی شاخ قائم کرنے کے لئے عارضی تنظیم کے کنوینر جناب شفیق دہلوی پرنسپل آزاد کالج چنے گئے۔

نینی تال مولانا حکیم اللہ صاحب کے اہتمام سے بہ صدارت مولانا وارث علی صاحب ایک جلسہ ہوا۔ مولوی عبدالعزیز صاحب کی تحریک اور مولوی عبدالواحد صاحب کی تائید سے تجویز پاس ہوئی۔

نان پارہ، راحت علی خاں صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کی اطلاع ہے کہ یوم مطالبہ پر نان پارہ میں ایک کامیاب جلسہ ہوا۔

بلند شہر۔ نذیر بخش صاحب اطلاع دیتے ہیں۔ خضر بیگ صاحب کی صدارت میں ہندو مسلمانوں کا ایک مشترکہ جلسہ ہوا۔

ڈھکواں سادات۔ کی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری علاؤ الحسن صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ سرتاج عالم صاحب، جناب جون امروہوی اور سکریٹری نے تقریریں کیں جلسہ کامیاب رہا۔

سہسوان۔ محمد اسماعیل صاحب سکریٹری انجمن کی اطلاع ہے کہ اردو کی حمایت میں پرجوش جلوس نکلا اور جلسہ ہوا صدارت حکیم سید عبدالقوی صاحب نے کی۔ تقریریں وکیل چیانند صاحب ایم۔ اے، سید محمد عامر صاحب ایم۔ ایس۔ سی و سرشار چندر صاحب جن سنگھ (باقی صفحہ پر)

اردو دنیا

اردو کی خدمت

شریمتی کشن پرشاد کول نے اردو بزم خواتین لکھنؤ کے جلسہ عام کی صدارت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ کہے۔

" میں بوڑھی اور کمزور ہوں، پھر بھی مجھ سے اردو کی جو خدمت ہو سکے گی کروں گی۔ میرے شوہر پنڈت کشن پرشاد کول آخر وقت تک اردو کی خدمت کرتے رہے"

ماسکو میں اردو اور ہندی

تاس کی اطلاع کے مطابق ماسکو لومنوسوف یونیورسٹی کے زیر اہتمام مشرقی زبانوں کی تعلیم کا ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جا رہا ہے۔ کورس ۶ سال ہوگا۔ اس دوران میں متعلقہ مشرقی ممالک کی تاریخ، تہذیب اور معیشت کے ساتھ ساتھ ان کی زبان کی تعلیم دی جائے گی۔ جس ملک کی زبان کو طالب علم سیکھ رہے ہوں انھیں ایک سال کے لئے اسی ملک کو روانہ کیا جائے گا۔

ماسکو میں تجربہ کے طور پر ایک ثانوی اسکول بھی قائم کیا جائے گا۔ اور اس اسکول کے طلباء کو ہندی اردو اور چینی سیکھنا ضروری ہوگا۔ (سیاست حیدرآباد)

سابق صدر جن سنگھ اردو کی حمایت میں

سری نگر۔ مولی چند شرما سابق صدر بھارتیہ جن سنگھ اور رکن زبان کمیشن نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ کشمیر میں اردو زبان ہمیشہ کی طرح پروان چڑھے گی اور ترقی کرے گی۔ یہ بہت ہی اچھا ہو کہ کشمیر کی سرکاری زبان اردو ہے۔ (ہندوستان بمبئی)

اردو میں پیروی کی اجازت

مسٹر با راؤ چیف جسٹس آندھرا نے حیدرآباد کے ایک ڈیپوٹیشن بار کے ارکان یار کے ایک وفد سے گفتگو کی جس نے ان کی درخواست پر ملاقات کی تھی۔ یہ وفد مسٹر ونایک راؤ دیدیہ کارگزار صدر حیدرآباد بار ایسوسی ایشن، مسٹر گوبند داس نتھا صدر بار کونسل مسٹر مادھو ریڈی معتمد عمومی بار ایسوسی ایشن مسٹر شہاب الدین احمد خاں اور مسٹر اعظم الدین ایڈوکیٹس پر مشتمل تھا۔

مسٹر با راؤ نے اپنی گفتگو میں ان اندیشوں کا بھی ذکر کیا جو ریاست حیدرآباد کے اردو داں وکلا میں پائے جاتے ہیں۔ اور کہا کہ ایسے وکلاء کے لئے گنجائش پیدا کرنے میں بھی ایک ہائی کورٹ مفید ہوگی۔ پانچ یا کچھ زیادہ برسوں تک انھیں اردو میں پیروی کرنے کی سہولت دی جائے گی اور ان کے مقدمات اردو داں ججوں کے اجلاس پر رکھے جائیں گے۔

اردو جماعتیں جاری ہیں

حیدرآباد اسمبلی میں مسٹر دیشمکھ نے اپنی تقریر میں کہا کہ حکومت نے اپنی پالیسی کی وضاحت کے بغیر اچانک جو قدم اٹھائے ہیں ان کی وجہ سے ایسے بچوں کے لئے سخت مشکلات درپیش ہوگئی ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے۔ اس قسم کے اقدامات ان تحفظات کے منافی ہیں جو دستور میں لسانی اقلیتوں کو دئے گئے ہیں

مسٹر گوپال راؤ اکبوٹے نے بتایا کہ اردو کلاسوں کے بند کر دینے کی اطلاع صحیح نہیں ہے۔ حکومت کا طرز عمل اردو کے ساتھ غیر ہمدردانہ نہیں ہے۔ حال ہی میں حکومت نے تمام ہیڈ ماسٹران مدارس کے نام گشتی جاری کی ہے کہ جب کبھی طلبا کی تعداد کی کمی کے باعث کسی مقام پر اردو کلاس بند کرنا پڑے تو اس کے لئے ناظم تعلیمات کی منظوری حاصل کی جائے یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ ہندوستانی (اردو) ذریعہ تعلیم کی سہولتوں کو گھٹایا جا رہا ہے اس کے برخلاف ان سہولتوں میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ (سیاست حیدرآباد)

لکھنؤ میں اردو کی تعلیم

بیگم سلطانہ حیات کنوینر اردو بزم خواتین نے وزیر تعلیم کے سامنے ان مشکلات کو پیش کیا جو کہ اسکولوں میں اردو جاری کرانے کے سلسلہ میں انجمن ترقی اردو اتر پردیش اور اردو بزم خواتین کو پیش آ رہی ہیں

موصوف نے اظہار تعجب کیا کہ جب اسکولوں میں اردو پڑھنے والے طالب علم موجود ہیں تو پھر اردو جاری

کیوں نہیں ہوتی۔

چنانچہ طے پایا ہے کہ پہلے مثالی طور پر لکھنؤ کے ایک اسکول میں اردو پڑھنے والے بچوں کے سرپرستوں کے دستخط اردو بزم خواتین کی طرف سے اسکول کی ہیڈ مسٹرس اور متعلقہ افسر کو پیش کئے جائیں گے اور وزیر تعلیم بذات خود دیکھیں گے کہ اسکولوں میں اردو جاری کرانے میں کیا مشکلات پیش آرہی ہیں۔ تاکہ ان مشکلات کو دور کرکے اردو جاری کرادی جائے۔

خیال ہے کہ یہ دستخط دو یا تین دن کے اندر اندر داخل ہوجائیں گے۔ (قومی آواز)

پارلیمنٹ میں اردو شعر

پردھان منتری جواہر لال نہرو نے جب لوک سبھا میں بمبئی کے متعلق مہاراشٹر والوں کے اعتراضات اور مسٹر دریش سنگھ کے الزامات کا جواب دیا تو اپنی تقریر اردو کے اس شعر پر ختم کی۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

شری این۔ ڈی گیڈگل نے فوراً کھڑے ہوکر لفظ "قتل" کے مضمرات و مفہوم پر اعتراض کرنا چاہا لیکن قہقہوں کی گونج میں ان کا اعتراض کسی نے غور اور سنجیدگی سے نہیں سنا، پنڈت نہرو کے شعر سنانے کی وجہ غالباً شری دریش سنگھ کا اپنی تقریر میں اردو کا یہ شعر پڑھنا تھا۔

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

(سنسار دہلی)

ہندستانی اکیڈمی کے نائب صدر

ہندستانی اکیڈمی یو۔پی کونسل کی میٹنگ میں جو اتوار کو مسٹر کملا کانت ورما کی صدارت میں ہوئی تھی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی کو اکیڈمی کے اردو سیکشن کا نائب صدر منتخب کیا گیا کونسل نے درج ذیل حضرات کو اکیڈمی کی مجلس عاملہ کے لئے منتخب کیا۔

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ۔ ڈاکٹر ہزاری پرشاد دیدی مسٹر اجودھیا ناتھ شرما اور مسٹر ہری ہر ناتھ ٹنڈن۔ اردو کی ادبی مشاورتی کمیٹی کے حسب ذیل ممبر منتخب ہوئے یوسف حسین صاحب موسوی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی پروفیسر مسعود حسن رضوی۔ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ مسٹر سعید انصاری، سید احتشام حسین اور ڈاکٹر اعجاز حسین کنوینر اردو میں تواریخ اور تذکرے کے لئے انعامی کمیٹی کے لئے درج ذیل ممبروں کی کمیٹی منتخب کی گئی۔

مسٹر رام ناتھ سید احتشام حسین۔ ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ۔ جناب معین الدین احمد ندوی اور پروفیسر محمد حبیب (کنوینر)

لسانی اقلیتوں کا تحفظ

وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے پارلیمنٹ کے پانچ ممتاز اراکین نے ملاقات کرکے ان سے اس بات کی درخواست کی کہ لسانی اقلیتوں کے بارے میں حد بندی کمیشن نے جو سفارشات کی ہیں ان کو قانونی شکل دیکر مرکزی حکومت کے ذریعہ ریاستوں میں انھیں نافذ کرانے کا بندوبست کیا جائے۔

اس سے قبل اینگلو انڈین فرقہ کے لیڈر مسٹر فرینک انتھونی نے لوک سبھا میں لسانی اقلیتوں کے بارے میں ایک زور دار تقریر کی تھی۔ شام کو وہ وزیر اعظم سے ملے اس کے علاوہ مسٹر اشوک مہتہ (پی۔ ایس۔ پی) مسٹر اے کے گوپالن کمیونسٹ ڈاکٹر لنکا سندرم (آزاد) اور مسٹر جے پال سنگھ (آزاد) نے بھی وزیر اعظم سے ملاقات کرکے اس بات پر زور دیا۔

معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں نے وزیر اعظم پر اس بات کا زور دیا کہ ماضی کے تجربوں کی روشنی میں اگر لسانی اقلیتوں کے بارے میں قانون نہ بنایا گیا اور اسے ریاستی حکومتوں پر چھوڑ دیا گیا تو یہ مسئلہ حل نہ ہو سکے گا۔ معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں نے وزیر اعظم سے اس بات پر زور دیا کہ صدر جمہوریہ کو اس بات کا اختیار دیا جائے کہ وہ لسانی اقلیتوں کے بارے میں قوانین کو ریاستوں میں نافذ کرا سکیں

(مدینہ)

ہندستانی سماجیات از، ڈاکٹر جعفر حسن

ہندستانی سماجیات بلاشبہ اردو ادب میں عموماً اور سماجیات میں خصوصاً ایک قیمتی اضافہ ہے۔ کتاب کا موضوع سماجیات ہے جس میں سماجی زندگی، سماجی برائیوں اور سماجی ترقی اور سماجی تحریکات کے مسائل کا ذکر ہے۔ کتاب پر مصنف کی قابلیت اور گہرے مطالعے کی چھاپ پڑی ہے۔ ترجمہ اقتباس از کوئی پانچ

قیمت ۸/۳ روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

آل آندھرا اردو کانفرنس

مندی (آندھرا) میں م اور ہ اگست کو آندھرا اردو مجلس کی جانب سے آل آندھرا اردو کانفرنس منعقد ہوئی جس کے ایک جلسے کی صدارت ڈاکٹر وی کے سیتہ داوی صاحب ممبر پارلیمنٹ نے کی۔ دوسرے کی جناب حبیب الرحمٰن صاحب نے، دونوں خطبوں کے اقتباسات شریک اشاعت کئے جا رہے ہیں۔

یہ جناب حبیب الرحمٰن صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو حیدرآباد کے خطبے کے اقتباسات ہیں۔

بزرگو اور دوستو!

آپ سب جانتے ہیں کہ ریاستوں کی نئی تنظیم میں تلنگانہ اور آندھرا کے علاقوں میں بسنے والے لاکھوں انسانوں کی قسمتیں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کردی گئی ہیں اور بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کہ آپ اور ہم ایک ہی عظیم الشان ریاست کے شہری بننے والے ہیں۔ اندازہ ہے کہ اس نئی ریاست میں اردو بولنے والی آبادی کی تعداد تیس لاکھ سے بھی زائد ہوگی۔ سیاسی اصطلاح میں تو بے شک یہ ایک اقلیت ہوگی لیکن واقعتاً وہ دنیا کی بعض چھوٹی ریاستوں کی پوری آبادی سے بھی زیادہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اقلیت نئی زبان اور کلچر کی حفاظت اور ترقی ایک دسا فریضہ ہے جس کی ذمہ داری اگر ایک طرف مرکزی اور ریاستی حکومت پر ہے تو دوسری طرف خود ہمارے اوپر بھی ہے۔ آئندہ اس فرض کی ادائی میں اہل آندھرا اور اہل حیدرآباد کو ایک دوسرے کے مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے اور ایک دوسرے کے تجربوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کندھے سے کندھا ملا کر کام کرنا ہے۔ مناسب ہے کہ ہم ابھی سے ملنے جلنے لگیں اور بننے والی نئی ریاست میں اردو کے مسائل سے متعلق تبادلۂ خیالات کا سلسلہ شروع کردیں۔

حضرات! مجھے چند دنوں سے کچھ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ اردو کے ساتھ بدسلوکی اور ناانصافی کی شکایتیں کرتے کرتے ہم اردو والوں کو چپکے ہی چپکے ایک بری عادت پڑتی جارہی ہے۔ ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اردو سے اپنی محبت کے اظہار کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ صاحب اقتدار لوگ جو ناانصافیاں اردو کے ساتھ کر رہے ہیں ان کا دکھڑا روتے رہو۔ اور پھر یہ سمجھ کر اپنے دل کو تسلی دے لو کہ ہم نے تو اپنا فرض ادا کردیا۔ اب اس پر بھی اردو مرتی ہے تو اس کو بچانا ہمارے بس سے باہر ہے۔ شاید بھارت میں یہی اس کا مقدر ہو۔

عزیز دوستو! یہ ہے وہ خطرناک راستہ جس پر اگر اردو والے کچھ مدت تک چلتے رہے تو اردو یقیناً مٹ جائے گی۔ اور لطف یہ کہ وہ مخالفین کی دشمنی سے نہیں بلکہ ہمنواؤں کی دوستی سے مٹے گی۔ اس لئے میں اس ظلم و زیادتی کا جو آزادی کے بعد سے بھارت کی ہر ریاست میں کہیں کچھ کم کہیں کچھ زیادہ اردو کے ساتھ کی جارہی ہے، اس موقع پر قصداً ذکر نہیں کروں گا۔ بلکہ آپ سے صرف یہ پوچھنے کی اجازت چاہوں گا کہ آئرلینڈ جیسی چھوٹی ریاست میں انگلستان جیسی طاقتور حکومت نے وہاں کی مقامی زبان کو مٹانے کی مدتوں کوشش کی لیکن آئرش زبان فنا نہیں ہوئی۔ پولش زبان پر سالہا سال تک بیرونی سامراجیوں کی مشق ستم جاری رہی۔ لیکن وہ زبان پھر بھی زندہ رہی۔ البانیہ کی بھلا کیا بساط ہے۔ ہم میں سے بہتوں نے شاید اس کا نام بھی نہ سنا ہو۔ اس ذراسی ریاست پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جبکہ وہاں البانی زبان میں کوئی کتاب یا رسالہ یا اخبار شائع نہ ہوسکتا تھا اور البانیہ کی انقلابی پارٹی اپنے اعلان اور اشتہار پیرس سے چھپوا کر منگواتی اور خفیہ طور پر تقسیم کرتی تھی۔ ان مظالم کا دور گزر گیا اور ظالم بھی گزر گئے لیکن البانی زبان بدستور باقی اور شاید ترقی پذیر ہے۔ قوم یہود کو لیجئے۔ طرح طرح کے مظالم سہتے ہوئے اس قوم پر صدیاں گزر گئیں۔ لیکن اس نے اپنی مذہبی زبان کو سینے سے چمٹا کے رکھا اور کسی طرح اس پر آنچ نہ آنے دی۔ یہ سب کیسے ہوگیا؟ ضرورت ہے کہ ہم اردو زبان والے ان تاریخی واقعات پر اچھی طرح غور کریں اور ان میں ہمارے لئے جو سبق پوشیدہ ہے اس کو سیکھنے اور سیکھنے کے لئے کوشاں ہوں۔ جب اتنی چھوٹی چھوٹی آبادیوں نے ایسی پسماندہ زبانوں کو فنا ہونے سے بچا لیا تو کیا

بھارت کے چار کروڑ اردو بولنے والے اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرسکتے؟ یقیناً کرسکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ اردو کی ہمدردی میں محض زبانی جمع خرچ پر اکتفا نہ کریں بلکہ اردو کی خاطر ذاتی طور پر کچھ تکلیف اٹھانے، کچھ مشقت برداشت کرنے، کچھ نفس کشی پر آمادہ ہوں۔ ہماری اردو دوستی کا تو یہ حال ہے کہ ہم اردو اخبار اس لئے نہیں خریدتے ہیں کہ ہمیں انگریزی پڑھنا آتا ہے پھر کیوں نہ قریب قریب اسی قیمت میں ایک اچھا انگریزی اخبار خرید لیں۔ ہاں اگر اردو اخبار مفت مل جائے تو پھر اس کو پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔ یہی حال اردو کی کتابوں اور رسالوں کا ہے۔ حیدرآباد میں کتنے ایسے خاندان ملیں گے جنہوں نے اپنے بچوں کو اردو پڑھانا چھوڑ دیا ہے۔ سبب پوچھئے تو جواب ملتا ہے کہ اب اردو پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہی حضرات نجی صحبتوں میں بیٹھ کر اردو کے ساتھ حکم کی ناانصافی کا رونا بھی روتے ہیں۔ اب ان صاحبوں کو کون یہ سمجھائے کہ جس فائدے پر ان کی نظر ہے یعنی حصول روزگار، اس کا تعلق صرف زبان دانی سے نہیں ہے۔ کیا ان کو یقین ہے کہ اگر ملک کے اندر دوسرے تمام حالات ایسے ہی رہیں جیسے آج کل ہیں تو دوسری زبانوں کے بولنے والوں میں کوئی بے روزگار نہیں رہے گا۔ کیا آج ہندوستان میں ہزاروں گریجویٹ بے روزگار نہیں ہیں۔ حالانکہ انگریزی ابھی تک سرکاری دفتروں عدالتوں، بینکوں اور دوسرے تجارتی اداروں کی زبان ہے۔ حصول روزگار کے خیال سے اگر آپ اپنے بچوں کو انگریزی یا ہندی یا تلگو پڑھانا چاہتے ہیں تو ضرور پڑھائیے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ بچوں کو ان کی مادری زبان کی تعلیم سے محروم رکھا جائے۔

معاشی فائدے کی خاطر اپنی زبان اور کلچر (اور شومیٔ پلٹ تو شاید مذہب) ہی سے ہاتھ دھو بیٹھنے والے لوگ شکر ہے کہ ابھی تک بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ ہر مقام پر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اپنے بچوں کو کم از کم وسطانی درجے کی حد تک ان کی مادری زبان اردو کے ذریعے تعلیم دلانے کے دل سے خواہش مند ہیں لیکن جب حکومتی ادارے اردو کے اسکول ہی بند کردیں اور دوسرے اسکولوں سے اردو کی جماعتیں ہی برخاست کردیں تو پھر اردو کے ان خواہش مندوں کے سامنے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ یا تو غیر زبان کے ذریعے اپنی اولاد کو تعلیم دلائیں یا پھر انہیں سرے سے ان پڑھ اور جاہل رہنے دیں۔

اب میں ادباً آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی اردو زبان والے اس قدر بے بس اور لاچار اور مجبور ہیں کہ حکومتی اداروں کے اس ظلم و زیادتی کا کوئی مداوا ہی نہ کرسکیں۔ حکومت اگر اردو کی جماعتوں کا انتظام کردے تو اپنے بچوں کو اردو پڑھائیں اور اگر نہ کرے تو انہیں غیر زبانوں میں تعلیم دلانا شروع کردیں اور اس صورت حال پر بس دل ہی دل میں کڑھتے رہیں۔ بزرگو اور دوستو! ہم حقیقت میں اتنے بے دست و پا نہیں ہیں۔ باوجود ان تمام معاشی تباہیوں اور اقتصادی بدحالیوں کے ہم میں اتنی سکت موجود ہے کہ جہاں جہاں ضرورت پڑے وہاں اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم کا خود انتظام کرلیں۔ معاشی زبوں حالی کے عذر سے آپ اپنے بچوں کو جسمانی غذا سے محروم کرکے ہلاک نہیں ہوجانے دیتے بلکہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر آخری لمحے تک ان کو زندہ اور صحت مند رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ اس انتظار میں نہیں رہتے کہ جب حکومت غذا کا سامان مہیا کرے گی تب ہی اپنے بچوں کو کھلائیں پلائیں گے ورنہ انہیں بھوکا اور ننگا چھوڑ دیں گے۔ اسی طرح کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ اگر حکومت کی طرف سے ہمارے بچوں کی ذہنی اور دماغی غذا کا انتظام نہیں ہوتا جیسا کہ ہونا چاہیئے تو ہم خود اس غذا کی فراہمی کا انتظام کریں اور اپنی اولاد کو ذہنی اور ثقافتی موت سے بچائیں۔ جواب دینے والے شاید مجھے یہی جواب دیں کہ حضرت آپ بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ اردو بولنے والے میں کہاں یہ سکت کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کا آپ انتظام سنبھال سکیں۔ وہ تو سارے بھارت میں مفلس و قلاش ہیں۔ انہیں پیٹ بھرنے ہی سے فرصت نہیں ملتی تو بھلا تعلیم کے لئے وہ روپیہ کہاں سے لائیں گے۔ مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے۔ اردو بولنے والوں کی عام معاشی پستی سے کما حقہ واقف ہوتے ہوئے بھی میں یہ عرض کروں گا کہ تھوڑی سی تنظیم اور تھوڑے سے ایثار سے ہم ضرورت پڑنے پر کم از کم وسطانی درجے کی حد تک اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ضروری سرمایہ فراہم کرسکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ اردو کی محبت محض زبان پر نہ ہو بلکہ دل میں بھی اس کی لگن موجود ہو۔ مثال کے طور پر آپ نئی بننے والی آندھرا ریاست ہی کو لیجئے۔ اس ریاست کی کل آبادی کا اندازہ تین کروڑ سے

بھی زائد کیا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اردو بولنے والے اس میں بارہ یا تیرہ فیصد ہوں گے۔ آپ انہیں دس فیصد ہی سمجھ لیجئے۔ یعنی اردو اقلیت کی تعداد نئی آندھرا ریاست میں کسی طرح تیس لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ اگر اس آبادی کا ایک چوتھائی حصہ بھی روزانہ صرف ایک پیسہ اردو کے لئے بچائے تو ہر روز تقریباً بارہ ہزار روپے یعنی سالانہ تقریباً ۴۰ لاکھ روپے آپ کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیا اس رقم سے آندھرا پردیش کے اردو بولنے والے بچوں کی تحتانی اور وسطانی تعلیم کا ہم انتظام نہیں کر سکتے میرا دعویٰ ہے کہ ضرور کر سکتے ہیں۔ شرط حوصلہ مندی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بعض دوسری ریاستوں میں بھی حساب لگایا جائے تو کم و بیش ایسا ہی نتیجہ نکلے گا۔ ہاں اگر ہماری پست ہمتی اور مقصد کی خاطر ایثار نہ کرنے کی عادت اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ ہماری آبادی کے ہر چار آدمیوں میں سے ایک بھی روزانہ ایک پیسہ بھی نہیں دینا چاہتا تو پھر دوسروں کی زیادتیوں کا گلہ شکوہ ہمارے لئے زیب نہیں دیتا۔ ایسے لوگ جوش میں آ کر حکام کی ناانصافیوں کا تو شور مچا سکتے ہیں لیکن خود اپنی چائے اور سگرٹ نوشی اور سینما بینی سے روز ایک پیسہ تک نہیں بچا سکتے۔ ان کے خلوص کی گہرائی کا اندازہ میں آپ ہی کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔ چائے سگرٹ اور سینما کا ذکر تو میں نے اشارتاً کیا ہے۔ اگر ہم اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر اس گئے گزرے دور میں بھی اپنی فضول خرچیوں، عیش پسندیوں اور توہم پرستیوں کا ذرا انصاف کے ساتھ جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ہم کس بُری طرح قومی خودکشی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا کی تاریخ جہاں فہیم اور خود دار قوموں کے ابھرنے کی مثالیں پیش کرتی ہے۔ وہیں نااہل اور غیر حساس قوموں کے مٹنے کی بھی شہادت دیتی ہے نہ معلوم آئندہ ہم کس زمرے میں شامل ہونے والے ہیں۔

(بقیہ ص ۴ سے آگے) ڈاکٹر دیشودرن (سکریٹری آریہ سماج) نے کیں۔

دیوبند۔ اعجاز احمد صاحب قاسمی سکریٹری شاخ انجمن اطلاع دیتے ہیں کہ ایک جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب اور حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نے بصیرت افروز تقریریں فرمائیں۔ اور قراردادیں پاس ہوئیں۔

گنتور۔ پروفیسر عبدالقادر سروری (جامعہ عثمانیہ) کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ حاجی سلیمان خاں، عبدالستار، محبوب الرحیم اور الیس۔ اے کی دھان مہابان نے شرکت فرمائی۔

کل آندھرا اردو مجلس

خطبۂ صدارت

جناب ڈاکٹر وی۔ کے سیتہ وادی صاحب

ممبر پارلیمنٹ

اردو ادب کے جاں نثار فدائیو!

کل آندھرا اردو مجلس کے اس پانچویں اجلاس کی صدارت کے لئے مجھ ایسے گمنام شخص کے کندھوں کا انتخاب کر کے آپ نے جو عزت مجھے دی ہے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مجھے اس فرض کی ادائیگی میں اپنی کمزوریوں کا احساس قدر سے پریشان کر رہا ہے۔ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ اردو تحریک سے براہ راست تعلق نہ رکھنے والے ایک طالب علم کو یہ بار گراں سپرد کرنے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہو سکتی ہے جو اس نازک دور میں نہ کوئی رہنمائی کرنے کا اہل ہے، نہ اس کے بیان میں عملی تجربات کا کوئی وزن۔ یہ کسر نفسی نہیں انہا واقعہ ہے۔ اردو زبان اور اردو ادب سے ایک گہرا لگاؤ ہوتے ہوئے بھی موجودہ تحریک میں براہ راست کوئی خدمت کرنے کی سعادت مجھے حاصل نہیں ہے اس لئے اگر میں ایک فصیح و بلیغ خطبۂ صدارت پیش کرنے میں آپ کی توقعات کو پورا نہ کر سکوں۔ تو امید ہے کہ آپ مجھے معذور تصور فرمائیں گے البتہ ایک ذہنی تسکین جو میں محسوس کر رہا ہوں وہ یہ ہے سیاسی طاقت آزمائی کے موجودہ ماحول میں جبکہ اردو اور دیگر زبانوں کے خالص ادبی اور علمی سوالات کو بھی صوبہ پرستی اور فرقہ وارانہ سیاست کی تنگ نظریوں میں الجھا دیا جا رہا ہے اور اس عوامی زبان کو جس نے میرے وطن میں حقیقی طور پر ایک مشترک وطنی تہذیب کی بنیاد رکھی تھی۔ اور جس پودے کی پرورش، اور سیرابی میں ہندو مسلمان دہلوی لکھنوی، دکنی اور گجراتی ہر شخص نے پوری دیانت کے ساتھ ہاتھ بٹایا تھا۔ ایک طبقہ کی جانب سے اس کو صرف مسلمانوں کی زبان ہونے کا اتہام دیا جا رہا ہے اور اس طرح اُن بے شمار غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں کی خدمات پر پانی پھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جنہوں نے اردو ادب کے دامن کو بھرنے کے لئے اپنے دماغ

آپ کی رائے

"ہماری زبان" کے اس شمارے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ کون کون سی چیزیں آپ کو پسند ہیں اور کیوں؟ ــــــ براہ کرم اپنی رائے سے مطلع فرمایئے۔

کی بہترین کاوشیں نذر کی ہیں۔ اس بلند مقام سے کھڑا ہو کر میں بلند آواز کے ساتھ اعلان کروں کہ خدا کے لئے ایک مشترکہ تہذیب اور ایک متحدہ قومیت کے اس نشان کو جسے اردو کے نام سے آج ہم یاد کرتے ہیں بدنام نہ کرو۔ اس کا دامن ان بدنما دھبوں سے ہمیشہ پاک رہا ہے آج اور بھی زیادہ پاک ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس پر سیکولر ہندوستان کے وزیراعظم جواہر لال نہرو کو فخر ہے۔ اور سچ طور پر سیکولر ہندوستان کی عوامی زبان کہی جاسکتی ہے۔

ہاں تو جہاں تک آج کے اس عظیم اجلاس کی صدارت قبول کرنے کا تعلق ہے۔ میں نے ان غیر مسلم تنگ نظر سیاسی حلقوں کی اردو کے خلاف آوازوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے ایک مناسب موقع سمجھ کر آپ کی جماعت کا حکم سر آنکھوں پر رکھا ہے۔

دوستو! آج اردو تحریک کے سلسلے میں مشوروں اور اپنے فرائض کا جائزہ لینے اور آنے والے سال کے لئے پروگرام بنانے کے لئے ہم یہاں جمع ہو رہے ہیں۔ تو ہمارے دل اردو ادب کے ان نامور سپوتوں کی جدائی کے غم سے بھاری ہو رہے ہیں جو اس نازک دور میں جب کہ اردو ایک بحرانی دور سے گزر رہی ہے، اور ہمیں ان کی رہنمائی کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی موت کے آغوش میں جاکر ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ گزرے دنوں میں اردو کے اپنے ایسے جلیل القدر ادیب ہم سے جدا ہوئے جن میں ہر ایک نے اردو ادب کی تزئین اور ترقی میں ایک امتیازی راہ پیدا کی تھی۔

پنڈت کشن پرشاد کول، علامہ برج موہن دتاتریہ کیفی، خواجہ حسن نظامی، قاضی محمد عبدالغفار، بیخود دہلوی، مجاز لکھنوی، اسلم جے راج پوری، اقبال سہیل، یاس یگانہ چنگیزی، سعادت حسن منٹو اور چراغ حسن حسرت کی یادیں رہ رہ کر آج ہمیں غمگیں بنا رہی ہیں ہم ان کی روحوں کو عقیدت مندی کے پھول نذر کرتے ہیں۔

حضرات! ہم آج ایسے وقت یہاں جمع ہوئے ہیں جب کہ اردو زبان ایک کس مپرسی کی حالت میں دکھائی دے رہی ہے۔ ایک طرف اس زبان کی جانب حکومت کی لاپرواہی یا سرد مہری کا شکوہ ہے۔ دوسری جانب، ہندی کے نوشوق، علم برداروں کی جتھہ بند مخالفت کا طوفان اور ان کے درمیان حامیان اردو ہیں، جن پر ایک مایوسی جیسی طاری ہے۔ گویا وہ اندھیرے میں راستہ تلاش کرنے کے لئے کسی کو آوازیں دے رہے ہوں۔ اور اردو کے مستقبل کے متعلق ان کی تمام امیدیں ختم ہو چکی ہوں اور ان کے گھٹنے تھک کر آگے چلنے سے انکار کر بیٹھے ہوں۔

ہم شاید اردو کے ماضی کی تاریخی حقیقتوں کو بھلا بیٹھے ہیں یا ہم نے جان بوجھ کر ان سچائیوں کی جانب سے جیسے آنکھیں موند لی ہوں۔ اور ہمارے ذہنوں سے اس تاریخی حقیقت کی یادیں اور ان کے آخری نقوش بھی مٹ گئے ہیں کہ اردو نے کسی راج محل میں جنم نہیں لیا۔ اس کی پیدائش دلی کے بازاروں میں ہوئی۔ لشکریوں نے اسے اپنی گودوں میں پرورش کیا۔ اور پھر راجدھانی سے سیکڑوں میل دور دکن دیس میں جاکر اس نے نشوونما پائی۔ اس وقت راج درباروں اور سرکاری دفتروں پر فارسی کا پرچم لہراتا تھا۔ اور جب یہ نوجوان ہوئی تو فارسی، انگریزی کو اپنا مقام اور مرتبہ سونپ کر جاچکی تھی۔ لیکن اردو کا نام چونکہ تاریخ کے تقاضوں کا مرہون منت تھا اور آخرکار ان تقاضوں کو پورا ہونا اور اردو کو پروان چڑھنا تھا۔ اس لئے کسی وقت سرکاری زبان نہ ہوتے ہوئے بھی اس نے مقابلہ کی دوڑ میں تمام سرکاری اور غیر سرکاری زبانوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور ان اس وقت جبکہ دماغوں پر فارسی اور انگریزی کا تسلط تھا اردو نے ملک کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے عوام کے دلوں پر قبضہ جمالیا۔

(باقی)

تبصرے

(ضیاء احمد)

درج لولوئے فصاحت

اب سے تیس چالیس سال پہلے ہمارے ملک میں فارسی زبان سے یہ بیگانگی نہ تھی جو اب ہے۔ گلی گلی مکتب تھے اور ان مکتبوں میں قرآن مجید کے ساتھ فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ آمد نامہ۔ خالق باری۔ کریما باقیات۔ گلستاں بوستاں۔ انوار سہیلی۔ پنج رقعہ۔ مینا بازار۔ سکندر نامہ وغیرہ اس زمانے میں داخل نصاب تھیں۔ اور مسلمان اور ہندو دونوں ایک ہی استاد سے کسب فیض کرتے تھے۔ جو لوگ اہل مقدرت تھے ان کے دروازے پر مولوی صاحب مقرر ہوتے جو صاحب خانہ کے لڑکوں اور محلے کے دوسرے طلبہ کو درس دیتے تھے۔ یہ وہ فضا تھی جس میں نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں مرحوم نے آنکھ کھولی انھوں نے گھر پر تعلیم حاصل کی۔ عربی پڑھی اور فارسی میں اچھی استعداد بہم پہونچائی جس کے ثبوت میں ان کا فارسی دیوان درج لولوئے فصاحت پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میں دو ایک اردو اور عربی نظمیں بھی ہیں۔ مگر غالب حصہ فارسی ہی ہے۔ نواب صاحب ایک مخیر اور عالی حوصلہ بزرگ تھے جو ہمیشہ قومی اور تعلیمی تحریکوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ لیکن یہاں ہم صرف ان کی فارسی شاعری پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں۔

مجموعہ مذکور غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ قطعہ۔ رباعی غرض اکثر اصناف شعر پر مشتمل ہے۔ متعدد غزلیں اساتذۂ ایران کی زمینوں میں لکھی ہیں اور خوب لکھی ہیں۔ بعض غزلوں پر شاعر ایرانی سنجر طہرانی کے قلم سے کلمات تحسین و توصیف ثبت ہیں۔ اکثر نظمیں وقتی و ہنگامی ہیں ان کی دلچسپی کا منشا ان کی ادبیت نہیں بلکہ ان کا کسی خاص واقعے سے تعلق ہے جس کی طرف جابجا اشارہ ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نواب صاحب نے شعر کو فن کی حیثیت سے نہیں بلکہ تفنن کی حیثیت سے اختیار کیا تھا۔ اس لئے اگر ان کے یہاں فنی پابندی یا استادانہ پختگی کی کمی پائی جائے تو محل تعجب نہیں۔ البتہ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ کلام مجموعی طور پر لطف سے

خالی نہیں۔ قیمت درج نہیں۔ کتاب مذکور مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی علی گڑھ سے مل سکتی ہے۔

تحفۃ المسلمین

دوسری قوموں سے اختلاط سے مسلمانوں کے یہاں شادی و غم میں بیسیوں مسرفانہ اور مشرکانہ رسوم شامل ہو گئی ہیں۔ ان حالات سے متاثر ہو کر تقریباً سوا سو برس پہلے شروانی خاندان کے ایک معزز فرد محمد خان زمان خاں مرحوم رئیس علی گڑھ نے ایک استفتار جناب شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کی خدمت میں روانہ کیا تھا جس کا جواب شاہ صاحب ممدوح نے مسائل اربعین کے نام سے تحریر فرمایا تھا۔ رسالہ تحفۃ المسلمین جو ہمارے پیش نظر ہے مسائل اربعین کا اردو ترجمہ ہے جو مولوی محمد نظام شاہجہاں پوری نے کیا تھا۔ ترجمہ کو اگرچہ ایک سو پندرہ سال کا زمانہ گزرا۔ لیکن زبان نہایت صاف اور سلیس ہے۔ یہ امر غالباً قارئین کی مزید دلچسپی کا موجب ہو کہ اسی فتویٰ کے اثر سے اس وقت سے لیکر اب تک شروانی خاندان میں ناچ رنگ اور دوسری بیہودہ رسوم بند ہیں۔ یہ کتاب غالباً بلا قیمت مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی علیگڑھ سے مل سکتی ہے۔

شائع ہو گئی

نقد غالب

مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

اس کتاب میں اردو کے ممتاز ناقدوں کے مضامین شامل ہیں جو انھوں نے غالب کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر لکھے ہیں

اس سال کی اہم ترین کتاب — جس کے بغیر آج غالب کا مطالعہ نامکمل ہے۔

پہلی فرصت میں اپنا آرڈر بھیجئے

قیمت ۱۰ روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

انجمن کی کتابیں

اردو ہندی ڈکشنری

انجمن نے پچھے سال کی مسلسل محنت اور ماہرین لسانیات کی مدد سے یہ لغت تیار کی ہے

اس لغت میں دس ہزار سے زاید الفاظ سے بیس ہزار کے قریب مترادفات کا انتخاب کیا گیا ہے ہندی لفظوں کے صحیح تلفظ کی وضاحت کے لئے ہر لفظ کا تلفظ رومن رسم خط میں لکھا گیا ہے

قیمت -/۲۰ روپے

چند اہم کتابیں

(۱) ایک مشرقی کتب خانہ — صباح الدین رفعت — قیمت -/۳ روپے
(۲) اسلامی فن تعمیر — " — " — -/۲ "
(۳) کچھ زندگی بابت — ابو سالم — ۲/۸ "
(۴) سیاسیات کے اصول — پروفیسر ہارون خاں شروانی
(تین حصے، حصہ اول -/۲ حصہ دوم -/۲ حصہ سوم ایک روپیہ)
(۵) باپو کے قدموں میں۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ مکمل سٹ -/۱۵ روپے
(۶) قومی تہذیب کا مسئلہ — ڈاکٹر سید عابد حسین — -/۲ روپے

میر تقی میر

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی

میر کی حیات و شاعری پر بہت اہم تصنیف ہے۔
میر کی شاعری اس عہد کے تاریخی حالات
اور پس منظر
اردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف
ہے۔

قیمت -/۱۲ روپے

شعرا کے انتخابی سلسلے کی ۶ کتابیں

(۱)	مجاز	قیمت	۱۲ آنے
(۲)	فیض	"	۱۲ "
(۳)	اختر شیرانی	"	۱۲ "
(۴)	مجروح سلطانپوری	"	۱۲ "
(۵)	جوش ملیح آبادی	"	۱۲ "
(۶)	احمد ندیم قاسمی	"	۱۲ "

سہ ماہی اردو ادب

زیر ادارت:- پروفیسر آل احمد سرور

تازہ شمارے کے چند مضامین

(۱) نظیری اور اس کا اثر غالب کی شاعری پر — ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی
(۲) مصحفی اور ان کے تلامذہ — نسیم احمد فریدی (امروہہ)
(۳) لکھنؤ اسکول کی شاعری میں آتش کا مقام — معین الدین کاکوروی
(۴) غالب کی شاعری کے چند بنیادی عناصر — اسلوب احمد انصاری

سالانہ چندہ دس روپے۔ فی پرچہ ۲/۸ روپے

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

پبلشر:- آل احمد سرور پرنٹر:- نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ